© rasailojaraid.com

مولانا مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی' مالیر کوٹلہ (بھارت)

اسلامی قانون اور مغربی قوانین

ایک تقابلی جائزہ

اللہ تعالیٰ کے پیغمبر اللہ کی طرف سے جو تعلیم دینے کے لیے مامور کیے جاتے ہیں' اس تعلیم کے دو حصے ہوتے ہیں۔ ایک اخلاقی تعلیم' دوسرے قانونی تعلیم (شریعت)

قانون میں اخلاقی اصولوں کی آمیزش کا ٹھیک تناسب بھی پیغمبر قائم کرتے ہیں' تا کہ اخلاقی اصولوں اور انسانی فطرت کے تقاضوں کے مابین توازن قائم رہ سکے۔

کچھ پیغمبروں کا مشن اخلاقی تعلیم کے ساتھ قانون شریعت کا نفاذ بھی رہا ہے اور کچھ پیغمبروں کا مشن صرف اخلاقی تعلیم تک محدود رہا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اخلاقی تعلیم کے ساتھ شریعت الٰہی کا نفاذ بھی فرمایا۔ مگر حضرت عیسیٰ مسیح علیہ السلام صاحب شریعت نہ تھے' اجرائے شریعت کی نوبت آنے سے پہلے ہی دنیا میں ان کی نبوت کا مشن ختم ہو گیا' اس لیے ان کے ارشادات میں ہمیں اخلاق کے ابتدائی اصول ہی مل پاتے ہیں۔

نبوت کے سلسلہ زریں کی آخری کڑی خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ صرف معلم اخلاق اور صاحب شریعت تھے بلکہ قانون شریعت الٰہی کی تکمیل بھی آپ ہی پر ہوئی۔ (الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اخلاقی تعلیم میں فرمایا گیا ہے۔

"جسے خدا نے جوڑا' اسے آدمی جدا نہ کرے" (متی ۱۹: ۶)

قرآن مجید میں ہے:

الذین ینقضون عھد اللہ من بعد میثاقہ ویقطعون ما امر اللہ بہ ان یوصل ویفسدون فی الارض اولئک ھم الخاسرون ○ (بقرہ ۳)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"جو لوگ اللہ کے عہد کو مضبوط کرنے کے بعد توڑتے ہیں اور ان تعلقات کو کاٹتے ہیں جنہیں اللہ نے جوڑنے کا حکم دیا ہے، یقیناً وہی نقصان اٹھانے والے ہیں"

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا

"جو کوئی اپنی بیوی کو حرام کاری کے سوا کسی اور سبب سے چھوڑ دے اور دوسرا بیاہ کرے وہ زنا کرتا ہے" (متی ۱۹ : ۱۹)

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

ابغض الحلال الی اللہ الطلاق

"اللہ کے نزدیک جائز کاموں میں سب سے زیادہ برا کام طلاق ہے۔" (روایت ابو داؤد، مشکوٰۃ، باب الخلع والطلاق، الفصل الاول صفحہ ۲۸۳)

ہر دو پیغمبروں کے ان رشادات کا تعلق اخلاقی ہدایات سے ہے نہ کہ قانون شریعت سے۔ ان ہدایات میں اشخاص کو تعلیم دی گئی ہے کہ شریعت کے قانون پر عمل پیرا ہونے میں وہ مذکورہ ہدایات کو پیش نظر رکھیں۔

سینٹ پال نے حضرت مسیح کی ان اخلاقی ہدایتوں کو لے کر اپنے آپ کو شریعت الٰہی سے بے نیاز سمجھ لیا، اور ان اخلاقی اصولوں پر خود قانون سازی کا کام شروع کر دیا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ارشاد کہ "جسے خدا نے جوڑا اسے آدمی جدا نہ کرے" کو لے کر یہ قانون بنایا کہ ایک مرتبہ نکاح ہونے کے بعد کبھی جدائی نہیں ہو سکتی، کیونکہ یہ تعلق خدا نے جوڑا ہے اور آدمی اس کو توڑنے کا حق نہیں رکھتا۔

اب رہی یہ آیت کہ

"جو کوئی اپنی بیوی کو حرام کاری کے سوا کسی اور سبب سے چھوڑے اور دوسرا بیاہ کرے، وہ زنا کرتا ہے"

کیونکہ یہ آیت پہلی آیت سے ٹکراتی ہے کہ اس میں حرام کاری کی وجہ سے چھوڑنے کی اجازت ملتی ہے، اس لیے اس آیت کی دو طرح سے توجیہ کی گئی ہے۔

ایک تو یہ کہ حرام کاری کی وجہ سے طلاق دینے کا استثناء بعد کا اضافہ ہے۔ اور اصل حکم وہی ہے کہ موت کے سوا جدائی کی کوئی صورت نہیں ہے۔

دوسری توجیہ یہ کی گئی ہے کہ حرام کاری کی صورت میں میاں بیوی میں جدائی تو کرائی جائے گی مگر نکاح بدستور قائم رہے گا اور دونوں میں سے کسی کو بھی دوسرا نکاح کرنے کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اجازت نہ ہوگی۔

صدیوں تک مسیحی دنیا اس پر عمل کرتی رہی اور نتیجہ یہ ہوا کہ انسانی عقل کے تراشے ہوئے اس غیر فطری قانون کی بدولت مسیحی دنیا میں بد اخلاقی پھیلتی چلی گئی۔

اس شدید اور ناقابل عمل قانون سے بچنے کے لیے مسیحی علماء نے طرح طرح کے شرعی حیلے نکال رکھے تھے۔

ایک حیلہ یہ تھا کہ کسی طور پر یہ ثابت کیا جائے کہ مرد و عورت نے ساتھ رہنے کا جو عہد کیا تھا وہ ان سے بلا ارادہ سرزد ہو گیا تھا تو اس صورت میں مذہبی عدالت بطلان نکاح (NULLITY) کا فیصلہ کر دے گی اور نکاح باطل ہونے کا یہ مطلب تھا کہ سرے سے کوئی نکاح ہوا ہی نہیں۔ اب تک ان میں ناجائز تعلقات تھے اور ان سے جو اولاد ہوئی وہ حرامی اولاد تھی۔

کلیسائے روم کے مذہبی قانون (CANNON LAW) میں تفریق کے لیے چھ صورتیں تجویز کی گئی تھیں۔

(۱) زنا یا خلاف فطرت جرائم

(۲) نامردی

(۳) ظالمانہ برتاؤ

(۴) کفر

(۵) ارتداد

(۶) زوجین کے درمیان خونی رشتوں میں سے کوئی رشتہ نکل آنا۔

مذکورہ چھ صورتوں میں قانونی چارہ کار یہ تجویز کیا گیا کہ زوجین ایک دوسرے سے الگ ہو جائیں اور ہمیشہ تجرد کی زندگی بسر کریں۔ اس قانونی تفریق (JUDICIAL SEPARATION) کے معنی رشتہ نکاح کے پورے طور پر ختم ہونے (DIVORCE) کے نہیں تھے کہ اس کے بعد بھی زوجین میں سے کوئی دوسرا نکاح کر سکے۔

رومن چرچ کے مقابلے میں مذہبی کلیسا (EASTERN ORTHODIC CHURCH) نے نسبتاً" ایک بہتر اور قابل عمل قانون بنایا۔ اس کے نزدیک زوجین کو حسب ذیل وجوہ کی بنا پر بند نکاح سے آزاد کیا جا سکتا ہے۔

(۱) زنا اور اس کے مماثل

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(۲) ارتداد

(۳) شوہر کا اپنی زندگی کو تسیس کی حیثیت سے مذہبی خدمت کے لیے وقف کر دینا۔

(۴) بغاوت

(۵) نشوز

(۶) نامردی

(۷) جنون

(۸) برص و جذام

(۹) طویل مدت کے لیے قید

(۱۰) باہمی نفرت اور مزاج کی ناموافقت

واضح رہے کہ مذہبی کلیسا کو فقہ اسلامی سے متاثر ہونے کے بہت زیادہ مواقع ملے، اس لیے اس کے قانون میں اسلامی فقہ کی واضح جھلک نظر آتی ہے۔ لیکن مغربی ملکوں کے مذہبی پیشوا مشرقی کلیسا کے اس قانون کو نہیں مانتے۔

انقلاب فرانس سے پہلے تک یورپ کے زیادہ تر ملکوں میں رومن چرچ کا مذہبی قانون چلتا تھا۔ انقلابی دور میں جب آزاد تنقید اور آزادی فکر کی ہوا چلی تو سب سے پہلے فرانس نے اس مذہبی قانون کی کمزوریوں کو دیکھ کر سرے سے اس مذہبی قانون کا جوا ہی اپنے کندھے سے اتار پھینکا۔ اس کے بعد آزادی کی یہ ہوا دوسرے ملکوں تک پہنچی اور رفتہ رفتہ انگلستان، جرمنی، آسٹریلیا، بیلجیم، ہالینڈ، سویڈن، ڈنمارک، سوئزرلینڈ وغیرہ ملکوں نے بھی مذہبی قانون چھوڑ کر اپنے اپنے جداگانہ قوانین نکاح و طلاق وضع کر لیے۔

مذہبی قانون سے آزاد ہو جانے کے بعد مغربی ملکوں میں جو ازدواجی قانون وضع کیے گئے ہیں ان کے بنانے میں اگرچہ سینکڑوں ہزاروں دماغوں نے اپنی بہترین صلاحیتوں کے ساتھ حصہ لیا ہے اور تجربات کی روشنی میں برابر اصلاحیں کی جاتی رہی ہیں لیکن ان سب کوششوں کے باوجود ان کے قوانین میں وہ اعتدال اور توازن پیدا نہیں ہو سکا جو عرب کے ایک امی کے پیش کیے ہوئے قوانین میں پایا جاتا ہے۔

مثال کے طور پر انگلستان میں ۱۸۵۷ء سے پہلے زنا اور ظالمانہ برتاؤ کی وجہ سے زوجین میں تفریق کی جا سکتی تھی مگر طلاق نہیں ہو سکتی تھی کہ اس کے بعد زوجین میں سے کوئی دوسرا نکاح کر سکے۔ پھر ۱۸۵۷ء میں زنا اور ظالمانہ برتاؤ کے علاوہ تعلقات زوجیت کا انقطاع

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(DESERTION) کو بھی شامل کیا گیا' بشرطیکہ یہ انقطاع دو سال یا اس سے زیادہ مدت تک جاری رہا ہو۔ یہ اسلامی قانون ایلاء کی ایک ناقص نقل تھی۔ ۱۸۵۷ء ہی کے قانون میں ایک تبدیلی اور کی گئی کہ تفریق کے ساتھ طلاق کو بھی جائز کیا گیا۔ مگر طلاق کے لیے شرط لگائی گئی کہ مرد اور عورت عدالت سے رجوع کریں' بطور خود طلاق کا فیصلہ نہیں کر سکتے اور عدالت کے لیے طلاق کی ڈگری دینے کی صرف ایک ہی صورت رکھی گئی کہ دونوں میں سے جو طلاق لینا چاہے' وہ دوسرے فریق کا مرتکب زنا ہونا ثابت کرے۔ اس قانون میں شوہر کو یہ حق بھی دیا گیا کہ اگر وہ چاہے تو اپنی بیوی کے ناجائز دوست سے اپنی بیوی کی عصمت کا ہرجانہ بھی وصول کر سکتا ہے۔

۱۸۸۶ء میں قانون بنایا گیا جس میں عدالت کو اختیار دیا گیا کہ اگر وہ چاہے تو نکاح توڑنے کے ساتھ ساتھ "خطا کار" شوہر سے عورت کو نفقہ دلوا سکتی ہے۔ ۱۹۰۷ء کے قانون میں شوہر کے خطا کار ہونے کی شرط اڑا دی گئی اور عدالت کو یہ اختیار دیا گیا کہ جہاں مناسب سمجھے مطلقہ عورت کے نفقہ کی ذمہ داری مرد پر ڈال دے۔ ہندوستانی قانون کی دفعہ ۱۲۵ اسی کی نقل ہے۔

انگلستان کے بہترین دماغوں کی پچاس برس کی پے در پے محنت کے بعد انیسویں صدی کے آخر میں ۱۸۹۵ء میں ایک قانون بنایا گیا کہ اگر کوئی عورت اپنے شوہر کی زیادتیوں کی وجہ سے گھر چھوڑ کر چلی جائے تو عدالت شوہر کو اس کے پاس جانے سے روک دے گی' بچوں کو عورت کے پاس رکھنے کا مجاز قرار دے گی۔ اور اگر اس صورت میں عورت زنا کی مرتکب ہے تو اس کے خلاف شوہر کا طلاق کا دعویٰ قابل سماعت نہ ہوگا۔

۱۹۱۰ء میں طلاق اور ازدواجی معاملات پر غور کرنے کے لیے ایک شاہی کمیشن مقرر کیا گیا تھا جس نے تین سال کی محنت کے بعد ۱۹۱۲ء کے آخر میں رپورٹ پیش کی' اس رپورٹ میں دیگر سفارشات کے علاوہ ایک سفارش یہ تھی جسے قبول کر کے ۱۹۲۳ء کے قانون ACT MATRIMONIAL CASES میں شامل کیا گیا کہ "طلاق کے اسباب اور وجوہات کے اعتبار سے مرد اور عورت دونوں کو مساوی قرار دیا جائے۔ مثلاً" اگر شوہر ایک بار بھی زنا کا مرتکب ہو تو عورت اس سے طلاق لے سکے"

انگلستان کے یہ بہترین دماغ عورت یا مرد کے ارتکاب زنا کا فطری فرق تک نہ سمجھ سکے اور اس قانون کی بدولت عورتوں کو اپنے شوہروں کے خلاف طلاق کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مقدموں کی بھرمار ہو گئی۔ یہاں تک کہ عدالتیں پریشان ہو گئیں اور ء میں لارڈ مری ویل (LORD MERRIVALLE) کو ان کی روک تھام کرنی پڑی۔

آئرلینڈ اور اٹلی کے قوانین پر رومن چرچ کا اثر ہے اور وہاں رشتہ نکاح اب تک ناقابل انقطاع ہے۔ بعض صورتوں میں قانونی تفریق ہو جاتی ہے مگر قانونی تفریق کے بعد زوجین نہ مل سکتے ہیں، نہ آزاد ہو کر نکاح ثانی کر سکتے ہیں۔۔

کیا اسیری ہے کیا رہائی ہے

فرانس میں قانون ازدواج بہت سے نشیب و فراز سے گزرا ہے۔ انقلاب کے بعد طلاق کو نہایت آسان کر دیا گیا تھا۔ نپولین کے قانون میں اس پر کچھ پابندیاں لگائی گئیں۔ ۱۸۱۶ء میں طلاق قطعاً" ممنوع کر دی گئی۔ ۱۸۸۴ء میں طلاق پھر جائز کی گئی۔ اس کے بعد ۱۸۸۶ء، ۱۹۰۷ء اور ۱۹۲۴ء میں طلاق کے لیے مختلف قانون بنائے گئے جس میں طلاق کی ڈگری حاصل کرنے کے لیے زوجین میں سے کسی کا ارتکاب زنا، زوجین میں سے کسی کا ایسا فعل جس سے اس کے ساتھی کی عزت پہ حرف آئے، حقوق زوجیت ادا کرنے سے انکار، شراب نوشی کی لت اور عدالت سے موجب ذلت سزا وجوہ طلاق قرار دیے گئے۔ اس قانون میں اسلامی قانون کے قانون عدت کی ناقص نقل کرتے ہوئے طلاق کے بعد تین سو دن کی عدت مقرر کی گئی۔

اسلام میں عدت کی اصل غرض براءت رحم ہے کہ مرد سے الگ ہونے کے بعد یہ اطمینان کر لیا جائے کہ عورت حاملہ تو نہیں ہے اس کے لیے اسلام نے فطری صورت تین حیض اختیار کی ہے۔ البتہ حاملہ کی عدت وضع حمل ہے۔ اس فطری صورت کے مقابلہ میں تین سو دن یا دس ماہ کی عدت کے لیے فطری بنیاد کیا ہے؟

آسٹریلیا، بیلجیم، سوئزر لینڈ اور ناروے میں مرد اور عورت صرف باہمی رضامندی سے ہی طلاق کی ڈگری حاصل کر سکتے ہیں۔ یہ بھی اسلام کے قانون خلع کی ایک ناقص سی نقل ہے۔

جرمنی میں زوجین اگر مسلسل ایک سال تک ایک دوسرے سے لاتعلق رہیں تو طلاق ہو سکتی ہے۔ اس میں اسلام کے قانون ایلاء کا ایک دھندلا سا عکس ہے۔

سوئزر لینڈ میں یہ مدت تین سال ہے اور ہالینڈ میں پانچ سال۔ دوسرے ملکوں کے قانون اس باب میں مختلف ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سویڈن میں شوہر کے لاپتہ ہونے پر مدت انتظار چھ سال ہے اور ہالینڈ میں دس سال۔ دوسرے ملکوں نے اس سلسلہ میں کوئی قانون وضع نہیں کیا۔

پاگل پن کی صورت میں جرمنی، سویڈن اور سوئزرلینڈ میں تین سال کی مہلت ہے، باقی ملکوں میں اس کے لیے کوئی قانون نہیں ہے۔

بیلجئم میں مطلقہ کی عدت دس ماہ ہے، فرانس میں تین سو دن۔ باقی ملکوں میں عدت کا کوئی قانون نہیں ہے۔

آسٹریلیا کا قانون یہ ہے کہ اگر مرد یا عورت میں سے کسی کو پانچ سال قید کی سزا ہو جائے تو طلاق کا دعویٰ کیا جا سکتا ہے۔ بیلجئم میں صرف سزا یاب ہونا طلاق کے دعوے کے لیے کافی ہے۔ سویڈن اور ہالینڈ میں اس کے لیے حبس دوام کی شرط ہے۔

یورپ کے ملکوں میں طلاق کے قانون ایک دوسرے سے کافی مختلف ہیں مگر ناقص اور غیر معتدل ہونے میں سب متفق ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ان میں سے کسی کو بھی ایک مکمل اور معتدل قانون بنانے میں کامیابی نہیں مل سکی۔ اس کے مقابلے میں اسلامی قانون کو جو شخص انصاف کی نظر سے دیکھے گا اس کو ماننا پڑے گا کہ عدل، توازن، فطرت انسانی کی رعایت، فتنوں کا سدباب، اخلاق کی حفاظت، تمدنی مصالح کی نگہداشت اور ازدواجی زندگی کے تمام مسائل ومعاملات میں اسلامی قانون حد کمال کو پہنچا ہوا ہے۔ پھر اس نمایاں فرق کے باوجود اگر انسان اپنے زندگی کے معاملات میں ہدایت الٰہی کی ضرورت سے انکار کرے تو اس کو حماقت کے سوا اور کیا عنوان دیا جا سکتا ہے؟

ایک نظر کامن سول کوڈ پر

یورپ کے مختلف ملکوں کے قوانین کے ساتھ ایک نظر کامن سول کوڈ پر بھی ڈال لی جائے جو ہندوستانی آئین کے رہنما اصولوں میں جگہ پا چکا ہے۔ بھارت کا آئین حصہ ۴ مملکت کی حکمت عملی کے ہدایتی اصول (Directive Principles) کے عنوان کے تحت دفعہ 44 میں کہا گیا ہے کہ

The State shall endeavour to secure for citizens a uniform civil code throughout the territory. of india.

"مملکت یہ کوشش کرے گی کہ بھارت کے پورے علاقہ میں شہریوں کے لیے یکساں مجموعہ قانون دیوانی کی ضمانت ہو" (صفحہ ۱۸ بھارت کا آئین شائع کردہ ترقی اردو بیورو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۱۹۸۴ء)

اس یکساں قانون دیوانی کے بظاہر چار نشانے ہوں گے۔

(۱) نسل انسانی کی بقا۔ (مگر اقتصادی خوش حالی کی خاطر کثرت آبادی پر کنٹرول کے ساتھ)

(۲) ایک متحد قوم اور متحدہ وطنی قومیت کی تشکیل۔

(۳) معاشرتی معاملات میں ہر مرد اور ہر عورت کی مکمل اور مساوی آزادی۔

(۴) معاشرتی معاملات سے مذہب کی بے دخلی۔

یہ یکساں قانون اپنے اصول اور مقاصد دونوں میں اسلامی قانون سے بالکل مختلف بلکہ متضاد ہوگا۔ مثلاً"

(۱) اسلامی قانون کہتا ہے کہ نکاح ان معاملات میں سے ہے جو دین و شریعت کے دائرہ بحث میں شامل ہے اور اسی لیے یہ فعل عبادت بھی ہے۔

کامن سول کوڈ کہتا ہے کہ نکاح کا معاملہ خالص دنیوی اور تمدنی معاملہ ہے اس کا مذہب سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

(۲) اسلامی قانون کہتا ہے کہ نکاح کے جائز ہونے کے لیے ہم دینی کی شرط لازم ہے۔

کامن سول کوڈ کہتا ہے کہ جواز نکاح کے لیے ہم دینی کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ مختلف مذاہب کے ماننے والوں کے درمیان بلا تامل شادی ہو سکتی ہے۔

(۳) اسلامی قانون کہتا ہے کہ لڑکیوں اور عورتوں کے نکاح کے معاملہ میں ان کے سرپرستوں کو بھی ایک حد تک دخل حاصل ہے۔

(۴) کامن سول کوڈ: لڑکیوں اور عورتوں کے معاملہ میں ان کے سرپرستوں کو مداخلت کا کوئی حق حاصل نہیں ہے۔ وہ بھی مردوں کی طرح اپنے نکاح کے معاملے میں آزاد اور خود مختار ہیں۔

(۴) اسلامی قانون: بعض اہم چیزوں خصوصاً" دین و تقویٰ کے معاملہ میں مرد کو عورت کا کفو اور ہمسر ہونا چاہیے۔

کامن سول کوڈ: کفاءت اور ہمسری کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔

(۵) اسلامی قانون: اگرچہ عام معمول یہی ہونا چاہیے کہ شادیاں بلوغ کے بعد کی جائیں مگر نابالغی میں بھی نکاح کی اجازت ہے۔

کامن سول کوڈ: بلوغ ہی نہیں قانونی بلوغ سے پہلے نکاح خلاف قانون ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(۶) اسلامی قانون : نکاح کے صحیح ہونے کے لیے کم از کم دو مسلمان گواہوں کی موجودگی ضروری ہے۔

کامن سول کوڈ : نکاح کے صحیح اور قانونی طور پر جائز ہونے کے لیے یہ کافی ہے کہ مرد اور عورت میرج آفیسر کے دفتر میں جا کر شادی کا اندراج کرا دیں۔

اسلامی قانون اور کامن سول کوڈ کے اصول و مقاصد پر ایک سرسری نظر ڈال کر ہی سمجھا جا سکتا ہے کہ اسلامی قانون کس قسم کا معاشرہ تشکیل دینا چاہتا ہے اور کامن سول کوڈ کس قسم کا معاشرہ تیار کرے گا۔

اسلامی قانون ایسا معاشرہ بناتا ہے جو بنیادی اکائی سے لے کر اوپر کے وسیع خاندان تک ایک زنجیر کی کڑیوں کی طرح آپس میں جڑا ہوا ہو۔ ایک ایسا پاکیزہ معاشرہ جس کے اندر جنسی بے راہ روی کے امکانات کم سے کم ہوں۔ ایسا آزاد اور منضبط معاشرہ جس میں اپنے نکاح کے معاملہ میں افراد کی مصلحتوں کی پابندی بھی ہے۔ اس معاشرہ کے افراد آپس کے حقوق، اندرونی داعیہ اور مذہبی ذمہ داری کے ساتھ ادا کریں نہ کہ صرف قانون کا مطالبہ سمجھ کر۔

کیا کامن سول کوڈ ان اہم معاشرتی تقاضوں کو پورا کر سکے گا۔ بلکہ کیا وہ خود اپنے مقرر کردہ نشانے بھی حاصل کر سکے گا؟

لندن (سٹاف رپورٹر) سوشل سروسز حکام نے ایک پاکستانی خاتون اور اس کے تین کم عمر بچوں کو اپنی حفاظت میں لے لیا جن کا یہ دعویٰ تھا کہ انہیں زبردستی پاکستان لے جایا جا رہا ہے۔ یہ خاتون اپنے خاوند اور بچوں کے ساتھ گزشتہ رات مانچسٹر ایئرپورٹ پر پاکستان انٹرنیشنل ایئر لائنز کے طیارے میں سوار ہونے والی تھی کہ اس نے ایک سکیورٹی گارڈ کو ایک چٹ دی جس پر لکھا تھا کہ "مجھے اور میرے بچوں کو پاکستان جانے پر مجبور کیا جا رہا ہے اور میرا خاوند مجھے پاکستان لے جا کر طلاق دینا چاہتا ہے۔" پولیس کے ایک ترجمان نے بتایا ہے کہ سکیورٹی گارڈ نے فوری طور پر پولیس طلب کر لی۔ خاتون اور بچوں کو ایئرپورٹ پولیس اسٹیشن لے جایا گیا جہاں سوشل سروسز نے ان کی رہائش کے انتظامات کیے۔ ترجمان کا کہنا ہے کہ چونکہ یہ "مجرمانہ معاملہ" نہیں تھا اس لیے اس خاتون کے خاوند کو نہیں روکا گیا اور اسے پاکستان کا سفر کرنے کی اجازت دے دی گئی۔

© rasailojaraid.com